کلامِ ظفر میں اسلامی تہذیب کے سماجی پہلو، ایک تحقیقی جائزہ

Social Aspects of Islamic Civilization in Kalam-i-Zafar, A Research Review

Dr. Muhammad Ijaz Tabassam
Assistant Professor, Department of Urdu, Lahore Garrison University:
dr.ijaztabassum@lgu.edu.pk

Abstract:
Abul Zafar Sirajuddin Bahadur Shah Akbar Shah Sani's son Shah Alam Sani's grandson was the last crown prince of the great Mughal Islamic Empire of the subcontinent. In fact, he was the creator of selfless passion and action, the creator of dignified lips and accent, the lamenter of a life full of joy and happiness, the emperor who had devotion and affection for mainland India and had a dervish temperament. It is felt that the bitter experiences of Zafar's personal life and the social sufferings and problems and his unfulfilled longings filled him with sincerity, sincerity and effectiveness. The distinguishing feature of Zafar Dehlavi is that where he upheld the tradition, he also maintained his individuality. That is why in his words, Mir's sorrow and despair, Mir Dard's mystical lip and accent, Zauq's everyday and idiom, Momin Khan Momin's color Taghzal and Ghalib's philosophy have become one. Zafar's ghazals truly portray the political turmoil of the Mughal era, the social turmoil, the administrative system and the tragic situation of 1857 in a very tragic form. His ghazals rightly give the impression of a tragic life, which reflects the times of treason and laments the disappearance of Islamic cultural values and traditions. Despair, migration, sadness, the element of compassion and the tragic impression of life are important and Zafar Dehlavi in his speech seems to have reached a certain level of wisdom and wisdom and returned to the truth from the authority. In fact, this is his poetic ascension. The leaven of his ghazal must have been taken from the leaven, but the real color in it seems to represent the Indian Islamic mind. This article will cover the above topics.

Keywords: *Zafar, life, Islamic mind, cultural values, traditions , ghazal,*

ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، اکبر شاہ ثانی کے بیٹے، شاہ عالم ثانی کے پوتے، برصغیر کی پُر وقار مغل اسلامی سلطنت کے آخری چشم و چراغ، خاندان تیموریہ کے جلیل القدر تاجدار، ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء کو لال قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲۵۳ھ بمطابق ۱۸۳۷ء کو مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے، تقریباً اکیس (۲۱) برس کے بعد ۱۸۵۸ء میں معزول کر دیے گئے اور چار سال بعد ۱۸۶۲ء میں جلاوطنی کی حالت میں برما (برہما، رنگون) دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی ولادت اور وفات کے متعلق رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر اسرار احمد خان اور ڈاکٹر انور سدید کی بالترتیب متفقہ رائے ہے رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

> ”خاندانِ مغلیہ کے آخری تاجدار مرزا ابوالظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ اکبر ثانی کے بیٹے تھے۔ ولادت ۱۷۷۵ء میں ہوئی باپ کے مرنے کے بعد ۱۸۳۷ء میں تخت پر بیٹھے اور غدر کے بعد ۱۸۵۸ء میں معزول ہو کر ملک برما میں جلاوطن کیے گئے جہاں ۱۸۶۲ء میں انتقال کیا۔“[1]

ظفر کا ”زمانہ ۱۱۸۹ھ / ۱۷۷۵ء سے ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء تک“[2] پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق:
”بہادر شاہ ظفر معین الدین اکبر شاہ ثانی کے بڑے بیٹے تھے وہ ۲۴ اکتوبر ۱۷۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ لائل بائی ایک راجپوت خاتون تھیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر تک بہادر شاہ ظفر کا واسطہ چھ پشتوں کا ہے۔“[3]

مغلیہ خاندان تزک و احتشام کے ساتھ اپنی سلطنت کرنے کے بعد بالآخر جب اٹھارہویں صدی عیسوی میں تنزلی کی جانب بڑھ رہا تھا تو ظفر کی پیدایش ہوئی۔ لال قلعہ دہلی میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھنے والے ظفر دہلوی اپنے اسی آبائی گھر میں بے چارگی اور بے بسی کے عالم میں تمام عمر اپنے پرکھوں کی کھوئی ہوئی میراث / ساکھ کو مضبوط کرنے کی فکر میں لگے رہے۔ وہ انگریزوں کے باج گزار شہنشاہ کی حیثیت سے اس مسند شاہی پر جلوہ افروز تو رہے مگر ان کے اختیارات محدود تھے۔ یہ محدود اختیارات ان کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوئے۔ اگر انھیں تسکین جاں تھی تو محض رعایا سے، وہ ان کے وفادار تھے۔ انھوں نے اپنے غم و اندوہ اور مضطرب زندگی کو تسکین بخشنے کے لیے شعر و سخن کا سہارا لیا۔ اپنے عہد کے نامور استادانِ فن سے سلسلۂ تلمذ باندھا۔ بالآخر ۸۷ برس کی عمر میں

---

[1] رام بابو سکسینہ: تاریخ ادب اُردو، مترجم مرزا محمد عسکری، لاہور: علمی بک ہاؤس، ۱۹۸۴ء، ص ۱۵۲۔
[2] سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص ۶۲۸۔
[3] اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۴۔

جلاوطنی کا صدمہ سہنے کے بعد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ڈاکٹر انور سدید ظفر دہلوی کی اس بے اختیار حکومت اور ان کی پیدایش و وفات کے متعلق لکھتے ہیں:

> "بزمِ مغلیہ کا اُجالا ختم ہو رہا تھا۔ ظفر لال قلعہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ انگریزوں کے تعاون سے انھیں تاج و تخت تو مل گیا تھا لیکن اختیارات چھن گئے تھے۔ بے اختیاری نے انھیں مجسم غم بنا دیا تھا لیکن رعایا کے خلوص و محبت نے انھیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیا۔ شاعری نے بھی ان کے دلِ مضطرب کو تسکین دی۔ انھوں نے شاہ نصیر اور ذوق سے اصلاح لی، ذوق کی وفات پر مرزا غالب کو استاد مقرر کیا۔ ۱۸۵۷ء میں سقوطِ دہلی ہوا تو انگریز ظفرؔ کو رنگون لے گئے اور وہیں کسمپرسی اور غریب الوطنی کی حالت میں انتقال کیا۔"[4]

یہ سچ ہے کہ وہ لال قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے جس ماحول میں تربیت و پرورش پائی تھی مذہبی کم اور دنیاوی طرز کا حامل تھا مگر آہستہ آہستہ بڑھاپے کے زینے پر قدم رکھتے ہوئے انھوں نے خود کو ایک صوفی باصفا کے رنگ میں رنگ لیا۔ وہ فقر و درویشی کو بنیادی اور تخت نشینی کو ثانوی درجہ دیتے رہے۔ ان کا مزاج شاہانہ کم اور درویشانہ زیادہ تھا جس نے انھیں پُرعزم شہنشاہ سے باہمت شخص، باوفا، طرح دار مفکر، مدبر، متصوف، مردِ مومن اور پاکیزہ صفت انسان کا روپ عطا کر دیا جو مخلوقِ خدا کا پرستار اور ان کی خدمت پر مامور رہنا اپنا فرضِ اولیں سمجھتا تھا۔ بقول ڈاکٹر اسرار احمد سچ تو یہ ہے:

> "انھوں نے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں ایک شہنشاہ کا وقار اور کر و فر، ایک شاعر کا سوز دروں، ایک مفکر کا تفکر، ایک مدبر کا تدبر، ایک زندہ دل انسان کی زندہ دلی، ایک اسیر کا رنج اسیری، ایک محکوم کا ذوق آزادی، ایک اہل زبان کی زبان دانی، ایک صوفی کا تصوف اور ایک مومن کی تسلیم و رضا اور وہ سب کچھ ہے جو انسان کی جیتی جاگتی زندگی کا خاصہ ہے۔ فن کے قدر دانوں کو سر رشتہ حیات میں پرونا تو بس کوئی ظفر سے سیکھے۔"[5]

وہ واقعتاً جامع صفات کے مالک شاعر اور ایک زندہ دل انسان تھے۔ ان کے جوہر قابل ان کی بادشاہت کی زینت تو نہ بن سکے مگر ان کا کلام ان کی مدبرانہ سیرت اور سوز و گداز سے بھرپور زندگی کا ترجمان ہے۔

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا

---

4 انور سدید، ڈاکٹر: اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴۷۔

5 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۳۰۵۔

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا [6]

خاکساری کے لیے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانانہ بنایا ہوتا [7]

پھیر نہ آیا پھر کے اقلیم فنا سے جو گیا
جا کے کیا جانے کہاں ملکِ بقا میں پھنس گیا [8]

ظفر کی شاعری میں اسلامی تہذیبی و مذہبی پس منظر کی جانب جھکاؤ اپنی واضح ترین صورت میں نظر آتا ہے۔ ان کے تمام کلام میں اخلاقیات کا اعلیٰ درس اور ارفع خیالات کی ترجمانی ملتی ہے۔ لہٰذا بقول ڈاکٹر اسرار احمد: ”انھوں نے ادب برائے زندگی کا نعرہ مارنے والوں سے پہلے فن شاعری کو مقصد حیات تہذیب و تمدن اور اخلاقیات کا عکاس بنانے کی طرح ڈالی۔“(9) یوں احساس ہوتا ہے کہ یہاں ان کا مزاج اور سیرت یک جان ہوگئے ہیں جس کی بنا پر وہ ”خُلق عظیم“ سے مُتصف ایک عظیم انسان اور برگزیدہ بندے کی صورت میں جلوہ گر ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام کا خاص وصف درویشی اور پاکیزگی ہے۔ وہ جمالِ محبوب کے لیے کتابِ مبین سے تلازمات اور متعدد تہذیبی اشارے لاکر اسے تقدس اور احترام عطا کرتے ہیں۔ ان کے کلام میں موجود قرآنی آیات اور ان کے فضائل کو ڈاکٹر اسرار احمد خان نے درویشی اور ایک پاکیزہ رجحان سے تعبیر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے:

> ”ظفر ایک درویش مزاج صوفی منش انسان تھے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں قرآن پاک کی متعدد آیات کو باندھا ہے اور ان کے فضائل بیان کر کے ان کا ورد کرنے پر زور دیا ہے۔ یہ ان کی شاعری کا ایک پاکیزہ رجحان ہے۔“(10)

بہر کیف زندگی کے آخری ایام اور مایوس کن لمحات نے انھیں سراپاءِ غم بنا دیا تھا۔ لہٰذا اس دلِ مضطرب کو تسکین بخشنے کے لیے شاعری ہی وہ واحد ذریعہ تھی جس کے ذریعے وہ اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتے تھے۔

---

6 ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۲۰۔
7 ایضاً، ص ۲۳۔
8 ایضاً، ص ۲۵۔
9 ایضاً، ص ۱۲۳۔
10 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۶۔

ظفر کے کلام میں حزنیہ لے اور دردمندی کا یہ عُنصر ان کی ذاتی زندگی کے مسائل اور سرزمینِ ہندستان پر اغیار کے غلبے کی صورت میں پیدا ہوا۔ اس لیے اک داستان المناک کی کرب انگیز لہر ان کے عشقیہ کلام میں چار سو چلتی ہے۔ عشق کلامِ ظفر کا خاص رنگ ہے جسے وہ اسلامی تاریخ و تہذیب سے مستعار کنایوں، استعاروں اور تشبیہات سے مزید گہرا کر دیتے ہیں۔ اس میں تقدس، لحاظ، احترام، اک رکھ رکھاؤ، احساسِ مروت، سچائی اور پاکیزگی، قربانی کا جذبہ، شرم وحیا، عزت افزائی، خاکساری، صبر وتوکل، وفاداری، عیب پوشی، عزتِ نفس، صفاے باطن، تحمل، اخفائے راز اور اعلیٰ ظرفی جیسی اقدار سے سجی اسلامی رنگوں کی قوسِ قزح ظفر کے آسمان شاعری کو اور بھی دیدہ زیب بنا دیتی ہے۔ وہ مذہبی عقائد سے لے کر دیگر معاملاتِ حیات تک تمام تہذیبی و سماجی پہلوؤں کو اپنے کلام میں سموتے چلے جاتے ہیں مثلاً زلیخا، رُخِ روشن، ماہِ کنعاں، نفخت فیہ من روحی، خالق کونین سے آدم علیہ السلام کو فیض، مصحف، روے کتابی، خطِ قرآنی، والشمس سے رُخِ محبوب کو تشبیہ دینا، اس کی گھنی سیاہ زلفوں کو واللیل کہنا، یہ تراکیب و شعری تلازمات اور جمالیاتی اشارے ان کے لاشعور میں بسی ایک پختہ جمالیاتی تہذیب کے سربستہ راز ہیں۔ کلیاتِ ظفر میں ایسے اشعار کی کمی نہیں ہے جو موضوع و مضامین کے لحاظ سے خالص اسلامی، تہذیبی اور مذہبی پس منظر رکھتے ہیں:

زلیخا دیکھتی گر اک نظر اُس کا رُخِ روشن
تو اُس کو خواب ہو جاتا تماشا ماہِ کنعاں کا [11]

ہے "نفخت فیہ من روحی" سے ظاہر اے ظفرؔ
جو کہ پہونچا خالقِ کونین سے آدم کو فیض [12]

ہم ترے روئے کتابی کو ہیں مصحف جانتے
ملتا ہے عارض کا تیرے خطِ قرآنی میں حظ [13]

عزت اُس روے کتابی کی کرے کیونکر

---

[11] ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ: کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد سوم، ص۵۔
[12] ایضاً، ص۶۷۔
[13] ایضاً، ص۷۰۔

ہووے کس وجہ مسلمان کو نہ قرآن عزیز [14]

جبکہ والشمس سے ہو رُخ کی تمہاری تشبیہ
کیوں نہ واللیل سے ہو زلف دو تا کی تمثیل [15]

تعلیماتِ تصوّف اور حیاتِ صوفیا نے ہندستانی سماج پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے۔ پاکیزہ زندگی کے معیاری رویے اور ضابطۂ اخلاق کی پابندیاں، قرآنی قواعد و قوانین کے مطابق اعتدال اور میانہ روی کے ساتھ معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا عین عبادت ہے۔ قرآنی اور صوفیانہ تعلیمات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ دونوں ہند اسلامی تہذیب کے داخلی و خارجی مزاج کا حصہ بنیں۔ڈاکٹر سعد اللہ کلیم اسے ہند اسلامی تہذیب کا معیاری رویہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”ہند اسلامی تہذیب کا معیاری رویہ جو اسے صوفیانہ تعلیمات سے منتقل ہوا اور جو قرآن پاک کی تعلیمات کے عین مطابق ہے یہ ہے کہ دنیا میں اس طرح رہا جائے جس طرح پانی میں موتی رہتا ہے کہ پانی میں ہونے کے باوجود پانی اس کو بھگو دینے پر قادر نہیں۔“[(16)]

وہ دراصل بے لوث جذبہ و عمل کے مالک، باوقار لب و لہجہ کے خالق، مسرت و ارماں سے بھرپور زندگی کے نوحہ کناں، سرزمینِ ہند سے عقیدت و التفات رکھنے والے شہنشاہ اور درویشانہ مزاج کے حامل شاعر تھے۔ یوں احساس ہوتا ہے کہ ظفر کی ذاتی زندگی کے تلخ تجربات، معاشرتی مصائب و مسائل اور ان کے نہ پورے ہوتے ہوئے حسرت و ارماں نے ان میں خلوص و صداقت اور اثر آفرینی کی فضا پیدا کر دی۔ ظفر دہلوی کا امتیازی وصف یہ ہے کہ جہاں انھوں نے تہذیبی و مذہبی روایت کی پاسداری کی ہے اپنے کلام میں اپنی شانِ انفرادیت بھی ضرور پیدا کر لی ہے۔ یہی وجہ ہے ان کے یہاں ولی دکنی کا جمالیاتی رنگ، میر کا حزن و یاس، متانت، خودداری، استغراق، شیرینی، فصاحت و بلاغت، درد کا صوفیانہ لب و لہجہ، آتش کی عاجزی و انکساری، ناسخ کی قادر الکلامی، نازک خیالی، انشا و جرأت کی معاملہ بندی، حرماں نصیبی، ہجر کی مصیبتیں، چست بندشیں، طعن و تشنیع، شاہ نصیر کی قافیہ پیمائی، سنگلاخ زمینیں، ذوق کی محاورہ بندی، مومن کا رنگِ تغزل اور غالب کا فلسفۂ زیست یک جان ہو گئے ہیں۔

---

14 ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ:کلیاتِ ظفر، لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد سوم، ص ۵۴۔
15 ایضاً، ص ۹۰۔
16 سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر:اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور:الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد دوم، ص ۱۴۶۔

مصحفِ رُخ کی تری تفسیرِ خط ہے پر کوئی
پڑھ تو دے کیا کیا ہے اس تفسیر میں لکھا ہوا [17]

یاد آتی ہے ہر سورۂ قرآن کو سُن کر
وہ رُوئے کتابی مجھے قرآن کی صورت [18]

ترے عارض سا قرآن کیا بنا کر کوئی لکھے گا
بھوؤں کے روبرو پہلے ہی بسم اللہ بگڑے گی [19]

اس کے رخسار پہ رہتا ہے خطِ سبز ظفرؔ
پرِ طاؤس رکھا دیکھا ہے قرآن میں کیا [20]

کلامِ ظفر اپنے عہد کی سیاسی زبوں حالی اور دگر گوں سماجی صورت حال کا ترجمان ہے۔ انھوں نے جذبوں کی نوید سے احساسِ ذات کو روشن کیا۔ وہ محرومِ تمناتو رہے مگر زندگی کے جھمیلوں میں بڑھتی ہوئی غم کی رعنائیاں انھیں حُسن و عشق کی صحیح معنویت اور تقدس سے بہرہ ور کرتی ہیں۔ ظفر سلطنت کے ساتھ ساتھ پاک وطن کی مٹی کی خوشبو و تاثیر سے محروم ہوئے اور اس احساسِ محرومی نے ان کے ہاں شدتِ غم کو مزید بڑھا دیا۔ ان کا کلام فقر و تصوف، عبرت پذیری، حُسن و عشق، بے چارگی اور درد و غم جیسے موضوعات کا آئینہ دار ہے جس میں وارداتِ قلبی کے ساتھ ساتھ خارجی زندگی کا عکس بھی جابجا دیکھا جا سکتا ہے۔

> "احساسِ محرومی نے زیادہ شدت کے ساتھ انھیں فقر اور تصوف کی طرف بھی مائل کر دیا تھا اور اس طرح بالخصوص عبرت پذیری کے اشعار ان کی زبان پر رواں ہو جاتے تھے۔ ان تمام

---

17 ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد دوم، ص۴۶۸۔
18 ایضاً، ص۴۹۴۔
19 ایضاً، ص۶۸۹۔
20 ایضاً، جلد اول، ص۷۴۔

اسباب کی وجہ سے حسن و عشق کے اشعار کے علاوہ ان کے کلام میں ہمیں درد و غم، بے چارگی، تصوّف اور عبرت پذیری کا اظہار ملتا ہے۔"[21]

یہ عبرت پذیری یہ درد و غم ہمیشہ ان کی زندگی کا حصہ رہے۔ وہ بڑی جگر کاوی سے ان درپیش مشکل حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔ سچ تو یہ ہے انھوں نے ان بوڑھی آنکھوں سے اپنے اہل و عیال اور دیگر معتبر افراد کے جنازے اُٹھتے دیکھے۔ معصوموں کی آہ و بقا سنی، خون میں لت پت لاشیں دیکھیں، لٹے پٹے افرادِ خانہ اور ہندستانی اشرافیہ کی ذلت ورسوائی دیکھی۔ انسانی بربریت کا شکار ہوتی معصوم کلیاں دیکھیں، جنھیں پروان چڑھنے سے پہلے ہی مسل دیا گیا، ان کی نظروں کے سامنے لال قلعہ دہلی اور جامع مسجد دہلی میں خون کی ہولی کھیلی گئی، دہلی کی ویران گلیوں میں ماتم کناں زندگی دیکھی، ظلم و ستم کی دہلیز پر درندہ صفت سامراج کے ہاتھوں نوچے ہوئے پیکرِ گل، چار سو پھیلی خاموشی و اُداسی کے سینے پر اُگتے ببول ان کے لیے حرزِ جاں ثابت اور نوحہ کناں درد کا مخملیں غلاف لپیٹے ظفر بے سدھ آہوں کے دریا میں غرق ہوئے۔ اس ماتمی حلقے نے ان کی چشمِ نمناک سے جاری ہونے والی آب جو کو ریگِ صحرا میں بدل دیا۔

یا مجھے افسرِ شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا [22]

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا [23]

اپنی ہستی پر نہ ہنس اتنا کہ ہستی سے فنا
دیکھ ہنستے ہنستے ہی تو اے شرر چھپ جائے گا [24]

عبرت کہے ہے قبر سکندر کو دیکھنا

---

[21] نادرہ زیدی، ""، مشمولہ "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، جلد سوم، ص ۱۳۰۔

[22] ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۲۳۔

[23] ایضاً۔

(24) ایضاً، ص ۱۲۔

یارو کچھ اعتبار نہیں ملک و مال کا [25]

کلامِ ظفر صحیح معنوں میں مسلم عہدِ مغلیہ کی سیاسی زبوں حالی، سماجی انتشار، انتظامی تنزلی اور ۱۸۵۷ء کی المناک صورت حال کو انتہائی کرب ناک شکل میں پیش کرتا ہے۔ ان کی غزلیات سے بجاطور پر المیاتی زندگی کا تاثر اُجاگر ہوتا ہے۔ جن میں غدر کے زمانے کا عکس بھی ہے اور اسلامی تہذیبی اقدار و روایات کے مٹنے کا نوحہ بھی۔ وہ بالخصوص جن موضوعات کو اپنی غزل کی زینت بناتے ہیں ان میں حسن و عشق کی پاکیزگی، غمِ جاناں و غمِ دوراں، بے ثباتیِ کائنات، حزن و یاس، دردمندی کا عُنصر اور زندگی کا فطری رنگ اہم ہے۔ ڈاکٹر انور سدید نے انھیں ظفر کی غزل کے عناصر ترکیبی قرار دیا ہے:

"ظفر نے شاعری پر موروثی زبان کی حکمرانی مسلط کرنے کے بجائے رعایا کی زبان کو تمول عطا کیا۔ دنیا کی بے ثباتی، دردمندی، حزن اور اداسی ظفر کی غزل کے عناصر ترکیبی ہیں ان کی لمبی بحر کی غزلوں پر المیہ گیتوں کا گمان ہوتا ہے۔"(26)

ظفر کی خاص عطا یہ ہے کہ انھوں نے تجرید و تجسیم کے پردے میں حقیقت کو مجاز پر ترجیح دی ہے۔ وہ اپنے مذہبی شعور کی بنا پر عشق کا تقدّس پامال نہیں ہونے دیتے۔ ان کے یہاں کہیں کہیں حقیقت و مجاز کا حسین امتزاج بھی ملتا ہے۔ وہ عاشق کے صدق و صفا اور معشوق کی جفاکاری، محبوب اور محب کے درمیان پاکیزہ رشتۂ الفت قائم کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں عشق کا بنیادی تصور اللہ اور بندے کے درمیان روحانی تقدس کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

دور ہو جاتی ہے حسد ہے محبت دیکھو
حال یوسف کا ہوا صحبتِ اخوان میں کیا [27]

سجدہ واں کرتا ہر اک اہل صفا خاک پہ ہے
جس جگہ تیرا نشانِ کفِ پا خاک پہ ہے [28]

---

[25] ایضاً، ص ۵۲۔
[26] انور سدید، ڈاکٹر: اُردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: عزیز بک ڈپو، طبع سوم، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴۷۔
[27] ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۷۴۔
[28] ایضاً، ص ۳۲۶۔

دکھائے گر مہِ کنعاں کو جلوہ تُو اپنا

تو وہ کہے کہ جو حُسن و جمال ہے تو یہ ہے [29]

عشق ظفرؔ کے نزدیک روایتی غزل گو شعرا کی طرح تقدس کا حامل پُر خلوص جذبہ ہے۔ وہ اسے جنسی وجسمانی اور حسیاتی سطح سے بلند کر کے روحانیت کے دائرے میں داخل کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ کہیں وہ مجاز پر حقیقت تو کہیں حقیقت پر مجاز کو ترجیح دے کر عالمِ امکان کی حدود سے ماوراطاقت قرار دیتے ہیں۔ اس میں فنا و بقا، حیات و ممات اور خود کو محبوب کی رضا کی خاطر قربان کر دینا اسے حیاتِ ابدی سے نوازتا ہے گویا یہ ایک متحرک اور با عمل جذبہ ہے جو کرب و اضطرابِ مسلسل کا امین تو ہے مگر کشور کشائی کا طالب نہیں ہے اسلامی تہذیبی پس منظر اور مذہب کی رو سے:

> "یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہو یا بندے اور بندے کے درمیان انتہائی اخلاص پر مبنی ہوتا ہے۔ اُردو غزل نے اسی بنا پر اسے فقر و سلطنت ہی نہیں دین و مذہب پر بھی فضیلت دی ہے۔"(30)

ظفر بھی اپنی غزل میں اسی عشق کے پرستار نظر آتے ہیں۔ وہ اسے اپنے اضطراری عمل، مستقل عمل، روحانی جذبہ، انتہائی اخلاص و وفا اور عالی ظرفی سے متصف جذبہ قرار دیتے ہیں جس کی بدولت انسان روحانی منازل طے کر کے مقامِ ابدیت پالیتا ہے۔

ظفر دہلوی کی غزل کا اشاراتی، استعاراتی، تشبیہاتی اور محاکاتی نظام مکمل طور پر اسلامی تہذیبی و مذہبی اور تاریخی پس منظر سے مربوط نظر آتا ہے۔ ان کے یہاں تصورات و تخیلات کے حسین اور پاکیزہ ہیولے جب نگاہوں کے سامنے رقص کرتے ہیں تو اسلامی تہذیب و مذہب کے تصورِ حُسن و عشق کا احساس بجا طور پر قاری کے دل و دماغ پر اپنا عکس جمیل بکھیر دیتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے:

> "ظفر نے اشیائے افزایشِ حسن کی طرف بھی خصوصیت سے نظر ڈالی ہے اور طریقہ ہائے آرایش و زیبایش کی کارفرمائی کی پوری کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ ان کے اشعار تہذیب و ثقافت کی علامتیں اور نشان بن گئے ہیں۔"(31)

---

29 ایضاً، ص ۳۴۲۔

30 سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص ۶۳۵۔

31 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۱۹۸۔

یہ علامتیں اور نشان ہند اسلامی تہذیب کے مذہبی و جمالیاتی پہلوؤں سے اخذ شدہ ہیں۔ وہ جابجا اپنے کلام میں ایسے شعری تلازمات اور فطری اشارے لاتے ہیں جس سے قاری کی حسِ جمال میں تقدیس و تحریم کے رنگ جنم لیتے ہیں۔ ان کا جمالیاتی شعور درحقیقت مجاز و حقیقت کی امتزاجی شکل تھی۔ وہ وجودی نظریے کے قائل تھے۔ ان کے شعور و لاشعور میں روحانیت و ارفعیت کا حقیقی رنگ اپنی وجدانی صورت میں ملتا ہے۔ انھوں نے دیر و حرم، مجاز و حقیقت، کعبہ و محراب، مسجد و منبر، شمس و قمر، یوسف و زلیخا، سالک و مجذوب اور وحدت و کثرت جیسی تراکیب کے ذریعے ہند اسلامی تہذیب کے داخلی و خارجی مزاج کو اپنے کلام میں سمونے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

درحقیقت ظفر کی غزل میں صفحۂ قرآن، فردوس بریں، ارم، مصحف، محراب، ماہ کنعان، نورِ جمال، عالم تمثال اور محو حیرت جیسے شعری تلازمات ان کے اسلامی تہذیبی پس منظر کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنے اس جمالیاتی رنگ کے ذریعے حسنِ مجازی سے حسن لایزال کی جانب ارتکاز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مجاز و حقیقت کا یہ امتزاجی رنگ بالآخر حسنِ ظاہری کے خارجی اوصاف سے حقیقت ازلی کے رنگ متبدل ہونے کے بعد یکتائیت کے مفہوم میں ڈھل جاتا ہے۔ وہ تجسیم سے تجرید اور مجاز سے حقیقت کی پرتیں کھولتے ہوئے تقدس و ارفعیت کی آخری منزل کو چھوتے نظر آتے ہیں۔ گویا مجاز کی سطح سے حقیقت تک اٹھنے کا یہ عمل ظفر کے لاشعور میں روزِ ازل سے سمایا ہوا تھا۔ وہ پاکیزگیٔ دل کی بدولت اس جانب اپنا جھکاؤ فطری طور پر محسوس کرتے ہیں۔ ظفر کی غزلیات میں حُسن کا خارجی تصور جسمانی اور حسیاتی سطح پر ایک خاص معیار اور داخلی ترفع سے ہم کنار ہو کر حُسن حقیقی کا صحیح ادراک کرتا نظر آتا ہے۔

مصحفِ رُخ پر ترے خط ہے کہاں
وہ کلام اللہ کی تفسیر ہے [32]

دکھاتا ہے ہر رنگ میں جلوہ اپنا
میں اس شوخ کی خود نمائی کے قربان [33]

عالمِ صورت میں تو میں صورتِ آدم میں ہوں

[32] ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۳۰۷۔
[33] ایضاً، جلد دوم، ص ۵۴۶۔

عالمِ معنی میں لیکن اور ہی عالم میں ہوں [34]

ان کا جمالیاتی شعور خالصتاً مشترکہ ہند اسلامی تہذیب کے خارجی ظواہر اور اس کے داخلی رجحان کا آئینہ دار ہے۔ وہ اسلامی تہذیب و مذہب سے حُسن و جمال کے لامتناہی قرینے اور علامات کو خارجی مظاہر سے داخلی سطح پر لا کر حسنِ لایزال کی معنویت کی توضیح پیش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں حُسن کا مجازی کم اور حقیقی تصور زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ وہ حُسن و جمال کا منبع و مرکز ربِ کائنات کی ذات کو قرار دیتے ہیں:

" اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ "(النور ۲۴: ۳۵)

"اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے"۔

وہ اپنی غزلیات میں مجاز پر حقیقت کو ترجیح دے کر بعض دفعہ حُسنِ مجازی کے لیے ایسے قرینے تلاش کر لائے ہیں جن سے حقیقت کو ترغیب / تحریک ملتی ہے۔ ان کا یہ متحرک حقیقی جمالیاتی شعور انھیں عظیم شعرا ولی دکنی، شاہ تراب، غالب اور درد و میر کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔

بے دوات و قلم اس روئے کتابی کا خیال
کرتا ہے کیا دلِ سیپارا میں قرآن کی نقل [35]

اے ظفرؔ تم کو ہے منظور اگر ردِّ حسود
تو پڑھا کیجے قل اعوذ برب الفلقے [36]

کہتے ہیں مرد دانا دل اِلّا اللہ اِلّا اللہ
ذکر یہ کرتا ہے اُن کا دل اِلّا اللہ اِلّا اللہ
ارض و سما خورشید و قمر حور و ملک اور جن و بشر
پڑھتے ہیں دل سے آٹھ پہر اِلّا اللہ اِلّا اللہ [37]

---

[34] ایضاً، ص ۵۴۹۔

[35] ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد دوم، ص ۵۳۳۔

[36] ایضاً، ص ۶۴۲۔

[37] ایضاً، جلد اول، ص ۲۵۸۔

کوئی کہتا ہے گویا وہ دہن ہے خضر کا چشمہ
کوئی کہتا ہے اس چاہِ ذقن میں آبِ کوثر ہے [38]

ظفرؔ کی غزلیات میں ہمیں خالصتاً اسلامی تصور حُسن و جمال ملتا ہے۔ ان کے جمالیاتی شعور میں ایک ہی ذات بسی ہے جو تمام حُسنِ کائنات کا مرکز و محور بھی ہے اور خالق و مالک بھی۔ علاوہ ازیں اسلامی الٰہیات کے ضمن میں پردہ خود نمائی، تکبر و غرور اور دیگر صفات کا تذکرہ کر کے وہ پس منظر میں اسلامی تہذیبی تصور کو اُجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

"مجموعی طور پر حُسن کے بارے میں ظفر کے یہاں جو متنوع رویے جنم لیتے ہیں وہ "قل ھوا فی الشان" کے حوالے سے اپنی تمام کثرتوں کے ساتھ وحدت کا بالآخر رُخ کرتے ہیں اور بالعموم صنعت سے صانع تک بڑھنے کے عمل میں اس کا تصور اس مابعد الطبیعی رجحان کا شاہد بن جاتا ہے کہ کائنات کے تمام تر حُسن و جمال کا مصدر اول ایک ہی ہے اور اس تمام تفسیر کی مفسر کوئی ایک ہی ذات ہے۔"(39)

یہ ذات مرکز کائنات اور تخلیقِ کون و مکاں ہے جس کے حُسن و جمال سے یہ حیات و کائنات سجی ہے۔ ظفرؔ اخلاص و صداقت، انسان اور اللہ کے درمیان ازلی محبت کا جوہر تلاش کرنے میں پُرجوش نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے داخلی رنگ اور خارجی تاثیر سے چہرۂ باطن سنوارتے ہیں۔

جوابِ حُسن مہِ مصر کا ہے نورِ جمال
حجاب چہرۂ شمس و قمر کا ہے سہرا [40]

دیکھ کر اِخلاص میرا کہتا ہے آئینہ رو
کیا ہی جوہرِ حُسن اللہ الصمد اپنے میں ہے [41]

---

38 ایضاً، ص۲۹۷۔
39 سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد دوم، ص۶۳۴۔
40 ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ: کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص۲۸۔
41 ایضاً، جلد چہارم، ص۵۶۰۔

ظفر دہلوی کے کلام سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں حسن و جمال پسندی کا عنصر محض روایتی نہیں ہے بلکہ اس میں فطری حسنِ زندگی کا لمس اور پاکیزگی کا عنصر شامل ہے۔ وہ رب کائنات کی بنائی ہوئی اس وسیع کائنات اور مخلوقِ خدا کے ہر ہر رنگ میں حُسن تلاش کرتے ہیں۔ جمال پسندی کا یہی ذوق ان کی فکریات کو تازگی اور ذہنی طراوت بخشتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد خاں اس جمال پسندی کو ان کی شاعری کا ہفت رنگ پہلو قرار دیتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

> "جمال پسندی ظفر کی شاعری کا ہفت رنگ پہلو ہے۔ کائنات کے حُسن سے وہ اپنی فکر کو رعنائی فراہم کرتے ہیں۔"(42)

ظفر کے یہاں کائنات کے اسی فطری حسن نے ان کے فکر و شعور کو متحرک کرنے اور دل آویزی عطا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ ان کے کلام میں حُسنِ فطرت سے سجی کئی تصاویر پھرتی دکھائی دیتی ہیں۔ جس میں کہیں تو حقیقت کا پرتو صاف نظر آتا ہے تو کہیں مجاز و حقیقت کا حسین امتزاج اسے مزید تقویت عطا کرتا ہے۔ در حقیقت وہ حقیقی حُسن کے متلاشی اور نغمہ خواں ہیں اور یہ حسن انھیں کائنات کے ذرے ذرے میں عیاں نظر آتا ہے۔

بہت ہوا مہِ کنعاں کا شہرۂ خوبی!
ولے نہ یار کے حُسن و جمال کو پہنچا [43]

خطِ سبز اس کا کیا زیبِ ذقن ہے
بربّ کعبہ جنّت کا چمن ہے [44]

اللہ اللہ جلوۂ حُسن و جمال فخر دیں
ہے اُسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ [45]

ظفر کے عہد کے دگر گوں حالات اور ان کی پریشان کن زندگانی نے اصل میں انھیں اس لامثالی حُسن، غیر متغیر پذیر اور یاحی یا قیوم ذات کی طرف مائل کر دیا۔ انھیں دنیا کی بے ثباتی اور ناکامیٔ حیات یہ سوچنے پر مجبور کرتی رہی

---

42 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۲۵۔
43 ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۳۷۔
44 ایضاً، ص ۳۵۶۔
45 ایضاً، جلد دوم، ص ۵۹۵۔

کہ یہ زندگانی عارضی ہے۔ ان کی نظروں کے سامنے پناہ گاہیں خاک نشین ہو گئیں۔ انھیں اعزہ و اقارب کی مفارقتیں گھائل کرتی رہیں۔ ہر ذی روح خاک کا رزق بنتی رہی۔ وہ ان قدرتی آفات کے سامنے خود کو بے بس پاتے ہیں۔ اس بے چارگی کے عالم میں صرف ایک ہی حقیقت اولیٰ کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے جو قائم و دائم اور غفور الرحیم ہے۔

جہاں ان کی غزل میں ظاہری زندگی کے تمام رنگ بکھرے نظر آتے ہیں وہاں معرفتِ حق کے مختلف روپ اسے اور بھی معنی خیز بنا دیتے ہیں۔ ان کا کلام ارباب علم و دانش کے لیے لذت کوشی اور اہل بصیرت لوگوں کے لیے معرفت حیات و کائنات کا ذریعہ بھی ہے۔ وہ چشمِ بینا سے حسنِ ازل کا مشاہدہ کرتے ہیں:

اے ظفر ہوتی ہے مسجد میں جماعت کی نماز
صفِ مژگاں ہے کہاں، ابروئے جاناں کے تلے [46]

تماشے دیکھنے ہیں گر ظفر کونین کے تجکو
لگا خاکِ کفِ پائے شہِ لولاک کی آنکھوں میں [47]

ہوائے ظفر کہیں وہ سمجھو اوسے نجف میں
رکھتا جو دل میں اپنے حبِ شہِ نجف ہے [48]

ظفر کا غم انفرادی نوعیت کا ہے کہیں کہیں غمِ جاناں غمِ دوراں کی صورت میں ڈھلتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے اس غم نے تخت و تاج، جاہ و حشم سے محرومی کی بنا پر بالآخر شعلہ بن کر ان کے صحرائے دل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سیاسی بے بسی معاشی بے چارگی اور تاج و تخت، جاہ و چشم کے چلے جانے کا یہ غم ان کے ہاں عظمتِ رفتہ کا نوحہ بن کر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ متاسفانہ لب و لہجہ اور درد کی آہوں میں ڈوبتا ہوا ماہتاب ان کے دل کی نگری کو مزید اندھیر کر گیا۔ ان کے کلام میں سوز و گداز اور دُکھ کی اوک سے اُبھرتا سورج ذوق کی شاعری کا عکس بلکہ ان کے ذاتی رنج و الم کا آئینہ دار ہے۔ بقول نادرہ زیدی:

---

46 ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ:کلیاتِ ظفر، لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد چہارم، ص ۵۵۱۔
47 ایضاً، ص ۴۰۰۔
48 ایضاً، ص ۴۸۴۔

"یہ بات بھی زیر نظر رہنی چاہیے کہ ظفر کا رنج و غم انفرادی ہے اور ان کے مقابلے میں ذوق کا غم ایک معاشرے کا غم معلوم ہوتا ہے۔ ظفر عظمتِ رفتہ کا مرثیہ لکھتے ہیں اور اپنی سیاسی بے بسی اور معاشی بے چارگی کی ترجمانی کرتے ہیں۔ تخت و تاج اور جاہ و حشم سے متعلق ایسے متاسفانہ اشعار ذوق کہاں کہہ سکتے ہیں ان میں تو صرف ظفر کی شخصیت کی عکاسی ہوتی ہے۔"(49)

ناقدین ادب کے ہاں تشکیک کا یہ پہلو بلا وجہ ظفر کی ادبی درجہ بندی میں کمی کا باعث بنتا ہے۔ کلامِ ظفر و ذوق میں مماثلت در حقیقت ایک فطری امر ہے؟ متاسفانہ رنگ ظفر کا خاص رنگ ہے۔ ذوق اس سے یکسر مبرا نظر آتے ہیں۔ کلامِ ظفر میں ذوق کی محاورہ بندی اور معاشرے کا غم ایک سیل رواں بن کر اپنی متوازی صورت میں بہتا ہے۔ جس میں سوز و گداز، درد مندی کا جذبہ، حزن و یاس کے عناصر اور تصوف کے اسرار و رموز بھی ہیں اور ان کے ذاتی حالات و کوائف کی دُکھ بھری داستان بھی۔ وہ اسلامی تہذیب اور مذہبِ اسلام سے گہرا انس رکھتے تھے۔ اگر دیکھا جائے تو ان کی غزل میں صوفیانہ طرزِ فکر صرف نظری مسائل تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے تمام کلام میں پاکیزگی کا عُنصر، تصوف کی عملی تشریح اور تلقین بھی یکساں طور پر نظر آتی ہے۔ وہ وسیع المشرب اور بلا تعصب ذہنیت کے مالک تھے جہاں تک صوفیانہ مسلک کی بات ہے تو وہ سلسلۂ چشت (جس کا تعلق دامادِ رسولؐ کے ساتھ ہے) سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد خان نے ان کے کلام میں شہیدانِ کربلا، مناقبِ علی اور مرثیہ کی موجودگی کو ان کی وسیع المشربی سے منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ان کو تصوف سے خاص لگاؤ تھا اور سلسلۂ چشت سے بیعت تھے تین سلاسل یعنی چشتی، قادری، سہروردی کا تعلق حضرت علیؓ سے ہے اس لیے انھوں نے حضرت علیؓ کی بڑی عقیدت سے مدح سرائی کی ہے۔ وہ شہیدانِ کربلا کے معتقد تھے۔ اپنی وسیع المشربی کے زیرِ اثر متعدد مرثیے بھی لکھے۔ وہ سنی مسلک کے سچے پکے مسلمان تھے۔ قلعہ میں سالہا سال سے جو بدعات رائج تھیں ان کو رسوم و رواج اور روایات کے بطور منا لیتے تھے جس سے ہر ملت و مذہب کی تالیف قلوب مقصود ہوتی تھی۔"(50)

---

49 تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند، ص ۱۳۱

50 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۳۔

انھوں نے بلا تفریق ہندو مسلم عوام کے زخموں پر مرہم رکھا اور ان کی خدمت گزاری میں اپنی تمام عمر صرف کر دی۔ اک شہنشاہ کی حیثیت سے ان کی مسندِ خلافت کسی مسلم و غیر مسلم کے خون سے داغ دار نہیں ہوئی۔ وہ لوگوں کی ہمدردی، دلجوئی اور تالیف قلب کے لیے ہمیشہ مگن رہے۔ یہ عجز و انکساری اور ہندوستانیوں سے الفت کا جذبہ لمحہ بہ لمحہ ان کی دگر گوں ہوتی حیات کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر سعد اللہ کلیم بھی ظفرؔ کا مذہبی عقیدہ اہل سنت والجماعت قرار دیتے ہیں[51] جس میں صحابہ کرامؓ کے علاوہ اہل بیت رسول کی محبت اور حضرت علیؓ سے خصوصی عقیدت شامل ہے۔ ان کے یہاں حمدیہ اشعار، نعت، منقبت اور صوفیانہ اصطلاحات سے مزین کلام اسلامی تہذیبی پس منظر کا امین ہے۔ وہ اصحابِ کبار، اہل بیت رسولؐ اور حضرت علیؓ سے خصوصاً الفت رکھتے ہیں:

ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کا ہے کیا کہنا
ظفرؔ ہم خاکِ پا ان چار یارِ مصطفٰے کے ہیں [52]

انھوں نے اپنی غزلیات میں کعبہ، مسجد، منبر، طواف، محراب، قبلہ، فردوسِ بریں، بوتراب، اسلام اور خانقاہ جیسی لفظیات کو اپنے عہد کے تہذیبی سانچوں میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔ یہ محض لفظی بازی گری نہیں ہے بلکہ سچے اور کھرے جذبات کا سیدھا سادھا اظہار ہے جس میں مذہبی رواداری، بات کہنے کا ڈھنگ روایتی نہیں بلکہ خلوص و صداقت سے بھرپور ہے وہ جس تہذیب کے فرد تھے اسی کا طواف عمر بھر کرتے رہے۔ اس کے رکھ رکھاؤ، پاسداری اور ترسیل کے لیے ان کا موقف واضح تھا۔ وہ اس کے درخشندہ ماضی کے قصص سے متاثر تھے اور ان کارناموں کو اگلی نسلوں میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔

انھوں نے اپنے کلام میں صنعتِ تلمیح کے ذریعے سے اسلامی تہذیب و مذہب کے بعض روشن حقائق اور انتہائی معروف قصوں کو بڑی مشاقی سے پیوند کلام کیا ہے۔ مثال کے طور پر آتش ابراہیم، بزاِ خفش، برادرانِ یوسف، پتھروں کا کلام، رابعہ بصری، سحر سامری، سکندر، شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں، عیسیٰؑ کا آسمان سے زمین پر آنا، قارون، وامق وعذرا، حضرت نوحؑ اور صحبتِ اخوان وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

یہ اپنی دم شماری تھی اُسی کے دم سے کوئی دم

51سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص ۶۴۵۔
52ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ: کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد سوم، ص ۳۹۴۔

جلا جس دم و عیسیٰ دم اُسی دم ہم بھی دم چُوکے [53]

تھی زلیخا کو شبیہِ ماہِ کَنعان جو عزیز
اُس نے اس صورت میں دیکھی تھی شباہت اور کی [54]

وہ اپنے عہد کے ناگُفتہ بہ حالات کے چشم دید گواہ تھے۔ ان کے کلام میں حُزن و یاس، دردمندی کا جذبہ اور کرب انگیز واقعات کا مرثیہ اپنے عہد کا پُر آشوب کربلائی منظرنامہ معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مزاج اور حالاتِ زمانہ یک جان ہوگئے ہیں۔ یہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ معلوم ہوتے ہیں۔ انھوں نے ان حادثات و حالاتِ زمانہ کا مقابلہ کرنے کے لیے جہاں اسلامی تاریخ کے مذہبی قصوں اور جنگی کارناموں سے اپنی روح کو تقویت بخشی وہاں شریعت و طریقت کے امتزاج سے بھی استفادہ کیا۔ وہ ان کی یکسانیت کے قائل تھے۔ رفتہ رفتہ تصوف ان کا لازمۂ حیات بن گیا۔ اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی یہی تھا۔ اس زمانے میں ہندوستان کی بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پانے کے لیے انھوں نے شریعت سے بڑھ کر طریقت کو ترجیح دی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تصوف کو ظفر دہلوی کے عہد کا لازمۂ حیات اور ان کے مزاج کا آئینہ دار قرار دیتے لکھتے ہیں: "تصوف ان کے مزاج اور حالات کا تقاضا تھا۔"(55)

بہادر شاہ ظفر متصوفانہ مزاج کے حامل شاعر تھے۔ تصوف اور مسائلِ تصوف کا بیان اگرچہ ان کی غزلیات کا غالب حصّہ قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم جتنے اشعار ان کے ہاں آئے ہیں، وہ ایک سچے اور باعمل صوفی کی حیات کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ وہ وحدت الوجودی نظریے کے پیروکار اور حسن و جمال کے شائق تھے۔ ان کا جمالیاتی مزاج متعین کرنے میں وحدت الوجود نے اہم کردار ادا کیا۔

رات بھر مجھ کو غمِ یار نے سونے نہ دیا
صبح کو خوفِ شبِ تار نے سونے نہ دیا [56]

دیکھ غافل صانعِ قدرت کی تو صنعت گری

---

[53] ایضاً، ص ۱۶۰۔
[54] ایضاً، ص ۲۵۱۔
[55] جمیل جالبی، ڈاکٹر، **تاریخ ادب اُردو**، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع سوم، اگست ۲۰۱۹ء، ص309
[56] ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ، کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد اول، ص ۱۶۔

ایک مشتِ خاک کو کیا صورتِ انساں کیا [57]

صنم خدا کیق سم قشقۂ جبیں تیرا
نظر میں خلق کی لوحِ کتاب سا چمکا [58]

وہ اپنے کلام میں عصری تقاضوں کو بخوبی نبھاتے نظر آتے ہیں۔ اسی بناپر:

"مرزا قادر بخش دہلوی کی نظر میں کلامِ ظفر دہلوی اربابِ مذاق کے لیے لذت اور اہل دل کے لیے معرفتِ حق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔"(59)

بے شک ان کی غزل میں سوز و گداز کی شدت اور اشکوں کی فراوانی قاری کے دل کی گہرائیوں میں اُترتی اور اپنادائمی اثر قائم کرتی ہے۔

کلام ظفر میں تاریخ برصغیر کی کئی گمشدہ کڑیاں، ماضی، حال اور مستقبل کے کئی مصدقہ حقائق اپنی واضح ترین صورت میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے قرونِ اولیٰ، ازمنہ وسطیٰ، عہدِ حاضر اور مستقبل کے تناظر میں انسان کی حیاتِ اجتماعی کا بصیرت افروز انداز میں تجزیہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ وہ فطرت اور ماحول پر قناعت کے ساتھ ساتھ زندگی کے اجتہادی پہلوؤں کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ دراصل معرفتِ حق اور زندگی کے مثبت رویوں نے ان کے کلام کو سماجی رعنائی اور عصری حقائق سے رنگین کر دیاہے۔ لہٰذا:

آدمی کہتے ہیں جن کو کم ہیں دُنیا میں وہ لوگ
یوں تو سب اولادِ آدم سے یہ بستی ہے بھری [60]

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے
شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بشر یاں تھے [61]

---

57 ایضاً، ص۲۸۔
58 ایضاً، ص۳۵۔
59 گلستان سخن، ص۱۸۹
60 ظفر، ابوالظفر سراج الدین بہادر شاہ،کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد دوم، ص۶۲۷۔
61 ایضاً، ص۶۹۸۔

ہمارا نام تو ہے اے ظفر مشہور عالم میں
اگرچہ ہم ہیں اپنے گھر میں مانند نگیں بیٹھے [62]

ظفر کی شاعری ایک متوکل انسان کی زندگی کا نوحہ معلوم ہوتی ہے جس میں مذہب سے رغبت اور دنیاوی جاہ و حشمت سے روگردانی، اخلاق، تصوف، رندی و سرمستی، حسن و عشق، سیاسی و سماجی مسائل، وارداتِ قلبی، سوز و گداز اور انسانی خودی کے تمام رنگ نکھرے نکھرے سے ملتے ہیں۔ عمر کے آخری حصے میں وہ عالم استغراق میں رہتے تھے۔ ان دنوں استغنا اور فقر و درویشی ان کے علم و فن اور فہم و ذکا پر شعورِ ذات کا پرتو چھایا نظر آتا ہے۔ انھوں نے حیاتِ فانی کے مفاہیم کو سمجھنے کے لیے جوگیوں اور بیراگیوں سے اخذ و اکتساب کیا۔ اللہ، کائنات اور انسان کی تثلیث کے بنیادی حقائق انھیں قرآن، سیرتِ طیبہ اور تصوف میں اپنی اجتماعی صورت میں ملے۔ اسی بنا پر وہ فقر و درویشی کی جانب مائل نظر ہوئے۔

> "ڈاکٹر انور سدید نے کلامِ ظفر میں استغنا اور درویشی کو ان کے مزاج کا نہ صرف حصہ قرار دیا ہے بلکہ وہ ان کے لب و لہجہ میں جوگیوں اور بیراگیوں کے اثر کو ان کا فطری رنگ قرار دیتے ہیں۔"(63)

یہ رنگ غمِ عشق و لذت، سوزِ جگر، دردمندی اور فنافی المعشوق کی منزل کو پالینے کا رنگ ہے۔ وہ باضابطہ طور پر غم ذاتِ و محبوب سے نکل کر غم کائنات میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں اپنی انتہائی سطح پر پہنچ کر یہ غم آفاقی رنگ اختیار کرلیتا ہے۔

ظفر دہلوی اپنے کلام میں دانش و فرزانگی کی اس سطح پر پہنچ کر مجاز سے حقیقت کی جانب مراجعت کرتے نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہی ان کی شاعرانہ معراج ہے۔ ان کی غزل کا خمیر مجاز سے ضرور اُٹھاہے مگر اس میں حقیقی رنگ کا پرتو ہند اسلامی ذہن کی نمایندگی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد خان ظفر کے کلام میں مجاز اور حقیقت کے اس امتیاز کو یوں واضح کرتے ہیں: "ظفر مجاز ہی سے حقیقت کو پانے کے قائل ہیں"(64) وہ اسرارِ کائنات میں چار سو حقیقت کو محسوس کرتے ہیں۔ ظفر کی اس غزل میں حسن الٰہی کے مختلف رنگ بکھرے نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی

---

62 ایضاً، ص۲۰۶۔
63 انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، ص۲۲۵
64 اسرار احمد خاں، ڈاکٹر: بہادر شاہ ظفر: شخصیت و فن، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ۲۰۰۱ء، ص۲۲۵۔

تعینات کا نام نہیں امکانات کی اجتہادی صورت سے عبارت ہے۔ یہی وجہ ہے وہ لفظ و معنی کی جمالیاتی تشکیل کے لیے زندگی کے مخفی اور ان گنت امکانات کا سہارا لیتے ہیں جو مستقبل میں روپذیر ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی قوتِ مشاہدہ اور حقائق زمانہ کی معرفت سے یاس و غم، مسرت و شادمانی کا کوئی پہلو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ محبوب کی گندمی رنگت، خال رخ اور زلف کو سورہ واللیل کہنا ان کے جمالیاتی ذوق کا پتا دیتا ہے۔ چند مثالیں یہاں ملاحظہ ہوں۔

یوں خال رُخ سے اوسکے در گوش ہے قرین
گویا کہ مشتری کا زحل سے قرآن ہے [65]

ویسی ہے دل کی بھی صورت، نظر آئی جیسی
خانۂ کعبہ کی تعمیر ہے صورت رکھتی [66]

اُردو غزل میں اخلاقیات کے تصور کے حوالے سے پختہ اور قدیم روایت موجود رہی ہے۔ شعرائے غزل نے جہاں محبوب کے حُسن و جمال، اداؤں اور نزاکتوں کا تذکرہ دل کھول کر کیا ہے وہاں نہایت ہی التفات سے پند و نصائح کے پردے میں ایک ناصح کا کردار بھی ادا کیا ہے۔ مشترکہ ہند اسلامی تہذیب سے اخذ شدہ تہذیبی و اخلاقی اقدار اور سماجی روایات مذہبی و نیم مذہبی تاریخی حوالوں کے ذریعے اس کا حصہ بنی ہیں۔ ظفر دہلوی نے بھی سابقہ شعرائے غزل کی طرح بعض مثبت و منفی اقدار جو آفاقی اور اسلامی درجات کی حامل ہیں، بیان کی ہیں۔ مثلاً وفاداری، حیاداری، پردہ، عیب پوشی، عزتِ نفس، صبر و توکل، تسلیم و رضا، احترامِ محبوب، صدق و صفا، عجز و انکساری، صفائے باطن کا تذکرہ، جود و سخا اور اعلیٰ ظرفی اہم ہے۔

ڈاکٹر سعد اللہ کلیم نے اپنی کتاب "اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں" میں ظفرؔ کی غزل سے متعلقہ تہذیب و اخلاقی اقدار کی ایک مختصر سی فہرست دی ہے:

"ظفرؔ کی غزل میں جن اقدار کو برتا گیا ہے وہ یہ ہیں:
وفا، حیا، پردہ، عیب پوشی، عزتِ نفس، عجز، صبر و توکل، تحمل، احترامِ محبوب، صفائے باطن، سخاوت، ثبات، خاموشی، فقر، محنت، راستیٔ عمل و گفتار، اعلیٰ ظرفی، کرم گستری، اخفائے راز،

-----

65 ظفر، ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ: کلیاتِ ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، جلد چہارم، ص ۴۴۶۔
66 ایضاً، ص ۴۷۴۔

دشمن سے بھلائی، ندامت وغیرہ جن قدروں اور اصولوں کو نواہی میں شمار کرتے ہوئے منفی انداز میں برتا گیا ہے وہ ایک تو مذکورہ بالا مثبت قدروں کے برعکس جملہ اعمال ہو سکتے ہیں مگر خاص طور سے جنھیں عیب شمار کیا گیا ہے وہ حرص وہوس، ریاکاری، غرور، بخل، حسد، کدورت اور کینہ پروری، خوشامد، غمازی، مکر، منافقت، خودپرستی، حرف گیری وغیرہ ہیں۔"[67]

ظفر کی غزل میں یہ مذکورہ بالا جملہ اقدار پند ونصائح کی صورت میں نہ صرف جلوہ گر ہوتی ہیں بلکہ حُسن و عشق، محبوب کی زیب وزینت اور رقیب کی ناپسندیدہ حرکات و سکنات کے پردے میں ظاہر ہو کر قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بنتی ہیں۔

انھوں نے گنگا جمنی تہذیب کے محافظ، اقدارِ عالیہ کے امین اور ایک محب وطن شہنشاہ کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی کو بخوبی نبھایا۔ مسند شاہی پر ان کی منکسر المزاجی، رعایا پروری، عدل وانصاف اور ہنر مند افراد کی دلجوئی و قدر و منزلت نے ہندستانیوں کے دل موہ لیے۔ وہ اس تہذیب کے ایک مخلص پاسبان کی حیثیت سے ہر دم کوشاں رہے مگر ریاست کے راجواڑے اور راج گان زادوں نے اس بندۂ خاکی کے خلوص اور زاہدانہ صفات کو پس پشت ڈال کر اصل حقائق زمانہ سے چشم پوشی اختیار کی۔ انھوں نے اپنے باعتماد لوگوں پر یقین کیا مگر خاطر خواہ نتائج اخذ نہ کیے جاسکے۔ سردار بخت جاں، مرزا الٰہی بخش، جیون لال، گوری شنکر اور سود خور مہاجن جیسے دولت پرور صاحب ثروت افراد نے سرزمین ہندستان سے بغاوت اور بے وفائی کی۔ پروفیسر طارق سعید کے مطابق:

"بہادر شاہ ظفر ایک مٹتی ہوئی تہذیب کا محافظ، اقدار عالیہ کا امین، جذبہ حب الوطنی کی جاوداں مثال، اہل ہنر و حرفت کا قدردان، رعایا پرور، مزاجاً عادل اور منکسر المزاج شخص کا نام ہے، کاش ملک کے راجواڑے اور راج گان زادے گنگا جمنی تہذیب کے اس پاسبان کے ساتھ ہوتے، کاش بیگم زینت محل کے بجائے بیگم حضرت محل جیسی بہادر خاتون اس بندۂ خاکی کی زاہدانہ صفات کی شریک حیات ہوتیں، کاش! سردار بخت خاں کی بات پر یہ سادہ لوح صفت بادشاہ کان نہ دھرتا، کاش مرزا الٰہی بخش، جیون لال، گوری شنکر وغیرہ وغیرہ بھارت کے خلاف

67سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اُردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، جلد اول، ص۶۴۶-۶۴۷۔ (علاوہ ازیں ص۶۴۸ پر انھوں نے کلیاتِ ظفر، جلد اول کی غزل ص۱۴۶ کا قافیہ نکل سنبھل ردیف چل کو فنی حسن کے اعتبار سے منفرد اور اخلاقی و تہذیبی قدروں کی امین قرار دیا ہے۔)

جاسوسی نہ کرتے کاش! سود خور مہاجن بنیے پرور صاحب ثروت اشخاص بھارت کے ساتھ ہوتے، کاش کاش، توہندستان کی تہذیبی قوت وجبروت کانقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔"(68)

ان کی شاعری ایک ایسے لاچار، بے بس، بے اختیاراور درویش منش شہنشاہ کی داستانِ الم ناک ہے جس میں غم عشق، غم روز گار اور باوقار مغلیہ سلطنت کے شیرازہ بکھرنے کا غم ایک تثلیث کی صورت میں جلوہ گر ہو کر گردِ کارواں کی صورت اختیار کرلیتاہے، جس کے حصار سے ظفر کبھی باہر نہ نکل سکے۔ وہ تمام عمر رنج والم کی اسی بادِ صرصر کی لپیٹ میں رہے۔ زندگی میں خوشی وغم کے لمحات ان کے لیے ایک جلتی سلگتی شمع کی مانند تھے۔ انھوں نے اپنے جسد خاکی کو اس سے لاکھ بچانے کے جتن کیے مگر بے سود، ڈاکٹر جمیل جالبی ظفر کے اس المیہ رنگ کو ان کے کلام کا ایک خاص حصہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ظفر کی ساری شاعری ایک المیہ تھی جس کا اظہار ان کی شاعری کے اس حصے میں ہوتا ہے۔ اس میں صرف محبوب کے بچھڑنے کا غم نہیں ہے بلکہ پوری سلطنت کے بکھر جانے کا غم شامل ہے۔ ایسا غم جس میں غم عشق، غم روزگار اور زندگی کے دوسرے چھوٹے بڑے غم گردِ کارواں کی طرح ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس کرب سے ظفر کا وہ مخصوص لحن پیدا ہوتا ہے جس میں ایک جلنے سلگنے والی کیفیت اور ایک ایسی آگ ہے جو اس کے وجود کو پھونکے ڈالتی ہے۔"
(69)

یہ وجود ساری زندگی برّصغیر اور مغلیہ سلطنت کی بقااور وقار کی خاطر پشیمان ومضطرب رہا۔ وہ زندگی کے دیگر جھمیلوں سے تو مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے مگر اپنے اس خطۂ ارض کو کھونے کا غم ان کی بساط سے باہر تھا۔

خلاصۂ کلام

انگریزوں نے ہندستانی سماج وتہذیب کے ہر قطرہ زندگی کو چوس کر اسے ڈھانچہ نما بنادیا۔ اس کا وجود تو قائم رہا مگر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، پھول کی شاخ پر رنگینیاں تو اپنا رنگ جمارہی تھیں مگر ان کی خوشبو نہ تھی۔ جسم بغیر روح کے کتنا بے معنی سالگتاہے۔ یہ نظامِ فاسد جس نے یہاں کے بالادست طبقے کے گلے میں دولت کا طوق ڈالا، غریب ومزدور افراد کا استحصال کیا، سرمایہ دارانہ معیشت کو ترجیح ملی، اخلاقی قدریں پامال ہوئیں، ہندستان کی بے

68 طارق سعید، پروفیسر: اُردو ادب کا تہذیبی پس منظر، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۱ء، ص ۱۷۵۔
69 جمیل جالبی، ڈاکٹر، **تاریخ ادب اُردو**، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع سوم، اگست ۲۰۱۹ء، ص 310۔

چارگی و درماندگی کے اس احساس نے ظفر کو سراپا غم بنادیا۔ انھیں اس حقیقت کا پہلے ہی ادراک ہو گیا تھا کہ اب اس سرزمین پر بدیشی حکمران اپنے پنجے مضبوط کر چکے ہیں۔ ان کی سیاسی دور اندیشی نے اگرچہ مفاہمت کی راہ ہموار کرنے کے لیے لاکھ جتن کیے مگر غداروں نے ان کی اس سعی لاحاصل کو حقیر بنادیا۔ بہرکیف ان کے کلام میں ارفع و اعلیٰ زندگی کے اسرار و رموز کے ساتھ ساتھ ایک شہنشاہ کی اپنی سرزمین سے سچی لگن اور اپنے اجداد کی زمین بوس ہوتی میراث کا دکھ، ایک ایسا اندوہ ناک سانحہ ہے جسے رہتی دنیا تک یادرکھا جائے گا۔